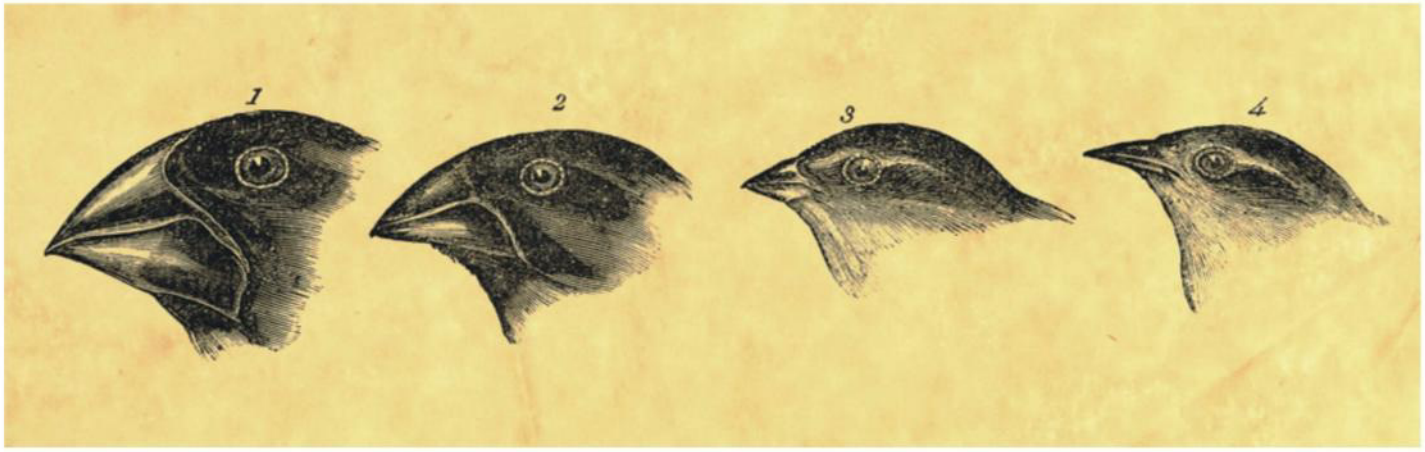

کیا نظریہ ارتقاء سچا ثابت نہیں ہو چکا؟

از: ڈاکٹر مونٹی وائٹ ترجمہ: ندیم مسیحی

بہت سارے لادین اور کئی ایک مسیحی بھی نظریہ ارتقاء کو ایک حقیقت سمجھتے ہیں۔ مونٹی وائٹ اِس مضمون میں ثابت کرتا ہے کہ نظریہ ارتقاء کو کبھی بھی ایک حقیقت کے طور پر ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

ہر ایک شخص جس نے پیدایش 1 تا 11 ابواب کا مطالعہ کیا ہے وہ یہ جانتا ہے کہ انسان کے ایک مالیکیول سے ارتقاء پذیر ہونے کی حالیہ تعلیمات خُدا کے کلام کیساتھ متصادم ہیں۔ پس بائبل اور سائنس کے تناظر سے نظریہ ارتقاء کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے؟ آیئے ہم اِس بات کا ذرا قریب سے جائزہ لیتے ہیں۔

ارتقاء کے حامی اکثر کہتے ہیں کہ ارتقاء کا مطلب ''محض تبدیلی'' ہے۔ ہاں یہ ایک تبدیلی ہی ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک بہت ہی خاص تبدیلی ہے۔ اِس وقت اِس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کی سادہ ترین حالت میں کچھ خاص تبدیلی ہوئی جس کی وجہ سے وہ زندگی پیچیدہ حالت میں بدل گئی اور بالآخر اُس سے انسان پیدا ہوا۔ ارتقاء کے حامیوں کا ماننا ہے ہے کہ ایک زندہ مالیکیول بنام ''گُو'' سے ارتقائی عمل کے بعد جانور وجود میں آیا اور پھر اُس سے مزید ارتقائی عمل کے بعد مَیں اور آپ وجود میں آئے۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ارتقاء کے مطابق اِس سارے عمل میں کئی ملین سال لگ گئے اور اِس میں سب سے اہم اور نمایاں طریقہ کار جس کی بدولت یہ سب ہوا، فطری چناؤ اور خلیوں کے جینز میں تغیر کا عمل ہے۔

اِس کے علاوہ لفظ ارتقاء کا اطلاق بے جان چیزوں پر بھی کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قریباً ہر ایک چیز جیسے کہ نظام شمسی، ستارے، یہ ساری کائنات اور سماجی اور قانونی نظام بھی ارتقاء پذیر ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ ارتقاء کی پیداوار ہے۔ بہر حال ارتقاء کی تین بڑی اور نمایاں اقسام یہ ہیں:

1: نجمی / کوکبی ارتقاء

2: کیمیائی ارتقاء

3: حیاتیاتی ارتقاء

اگر ارتقاء کی کہانی کو سچ مان لیا جائے تو پھر ایک قادرِ مطلق خالق کے لئے اِس کائنات اور لوگوں کی زندگیوں میں کوئی جگہ نہیں بچتی۔ ارتقاء کے حامیوں کے نزدیک ارتقائی عوامل کو مکمل طور پر فطری مانا جاتا ہے۔ اِس کے مطلب ہے کہ یہاں پر مافوق الفطرت یا فطرت سے بالا خالق کی ضرورت ہی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ ارتقائی بحث میں کہا جاتا ہے کہ فطری دُنیا اپنے جیسی ایک نئی اور بہتر یا پھر اِس سے بہت پیچیدہ دُنیا خود تخلیق کرنے کے قابل ہے۔ پس اِس کے مضمرات بڑے واضح ہیں: ارتقاء کے معنی ہیں کوئی خُدا نہیں، اور اگر کوئی

خُدا نہیں تو پھر خُدا کے بنائے ہوئے اصول بھی نہیں، اُس کی طرف سے کسی طرح کے احکامات بھی نہیں اور خُدا کیطرف سے دیئے گئے ایسے کوئی اصول اپنا وجود نہیں رکھتے جنہیں ماننے کے ہم پابند ہوں۔ پھر ہم اپنی من پسند زندگی گزار سکتے ہیں اور جو ہمارے جی میں آتا ہے وہ کر سکتے ہیں کیونکہ ارتقائی فلسفے کے مطابق ایسا کوئی خُدا اپنا وجود ہی نہیں رکھتا جس کے سامنے ہم جوابدہ ہوں۔ پس محض ایک مالیکیول سے انسان کے ارتقاء پذیر ہونے کی بات میں بہت سارے لوگوں کے لئے کافی دلکشی پائی جاتی ہے کیونکہ اگر ایسا مان لیا جائے تو پھر وہ اپنی من پسند زندگی گزارنے کے لئے آزاد ہوتے ہیں۔ اِس کو ہم نسبتی اخلاقیات کہتے ہیں۔

محض ایک مالیکیول سے انسان کے ارتقاء پذیر ہونے کی بات میں بہت سارے لوگوں کے لئے کافی دلکشی پائی جاتی ہے کیونکہ اگر ایسا مان لیا جائے تو پھر وہ اپنی من پسند زندگی گزارنے کے لئے آزاد ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ کسی ذات [بشمول خدا] کو اپنے اعمال اور طرزِ زندگی کے لئے جوابدہ نہیں ہیں۔

کیا بائبل ارتقاء کے بارے میں تعلیمات دیتی ہے؟

اِس سوال کا سادہ ترین جواب ہے "نہیں"۔ پیدایش 1 باب میں ہم ہر ایک چیز ___ یعنی کائنات، چاند ستاروں، سیارہِ زمین، اِس میں مختلف طرح کے نظامِ حیات اور مخلوقات کے تاج یعنی اشرف المخلوقات انسان کے ارتقاء کا نہیں بلکہ تخلیق کا بیان پڑھتے ہیں۔ اِس سارے بیان میں ہم کہیں پر بھی محض ایک مالیکیول کے ارتقائی مراحل سے گزرنے کے بعد انسان کے پیدا ہونے کا بیان نہیں پڑھتے۔ اِس کے علاوہ اِس بیان کے مطابق حقیقی تخلیق کے عمل میں اُتنا وقت بھی نہیں لگا جتنا ارتقائی عوامل کے لئے درکار ہے کیونکہ بائبلی بیان کے مطابق خُدا نے اپنی قدرت سے ہر ایک چیز کو 6 حقیقی دنوں کے دوران تخلیق کیا تھا (خروج 20 باب 11 آیت؛ 31 باب 17 آیت)۔

کچھ ایسے حضرات بھی ہیں جو اِس بات پر بحث کرتے ہیں کہ پیدایش 1 باب ارتقائی عمل کا سادہ بیان ہے۔ لیکن ایسا کوئی مفروضہ سچائی کی کسوٹی پر کھرا نہیں پایا جاتا۔ پیدایش کی کتاب میں تخلیق کی ترتیب اور ارتقائی عوامل کی بدولت چیزوں کے وجود میں آنے کی ترتیب پر ایک نظر ڈالنے سے ہمیں اِس مفروضے کی حماقت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ (ذیل میں دیئے گئے چارٹ کو ملاحظہ فرمائیں)[1] دونوں نظریات کے مطابق چیزوں اور واقعات کے وقوع پذیر ہونے کی ترتیب بہت ہی مختلف ہے اور پیدایش کی کتاب میں تخلیق کا بیان ارتقاء کے مطابق چیزوں کے وجود میں آنے سے قطعی طور پر کسی قسم کی مماثلت نہیں رکھتا۔

ارتقاء	پیدایش
زمین سے پہلے سورج	سورج سے پہلے زمین
سمندر سے پہلے خشک زمین	خشک زمین سے پہلے سمندر
سمندر سے پہلے فضا	فضا سے پہلے سمندر
زمین پر روشنی سے پہلے سورج	سورج سے پہلے زمین پر روشنی
زمین سے پہلے ستارے	ستاروں سے پہلے زمین
زمین سیاروں کے ساتھ ہی وجود میں آئی	زمین دیگر سیاروں سے پہلے وجود میں آئی
زمینی نباتات سے پہلے سمندری مخلوقات	سمندری مخلوقات سے پہلے زمینی نباتات
ستارہ مچھلی سے پہلے کیچوا	کیچوے سے پہلے ستارہ مچھلی
درختوں سے پہلے خشکی کے جاندار	خشکی کے جانداروں سے پہلے درخت
انسان سے بھی پہلے موت	موت سے پہلے انسان
اونٹ کٹارے اور جھاڑیاں انسان سے پہلے	اونٹ کٹارے اور جھاڑیاں انسان کے بعد
ٹی بی پیتھوجنز اور کینسر انسان سے پہلے (ڈائنوساروں کو بھی ٹی بی اور کینسر جیسے مرض لاحق تھے۔)	ٹی بی پیتھوجنز اور کینسر سے پہلے انسان

پرندوں سے پہلے رینگنے والے جاندار	رینگنے والے جانداروں سے پہلے پرندے
وہیل مچھلی سے پہلے خشکی کے جاندار	خشکی کے جانداروں سے پہلے وہیل مچھلی
چمگادڑوں سے پہلے خشکی کے جاندار	خشکی کے جانداروں سے پہلے چمگادڑیں
پرندوں سے پہلے ڈائنوسار	ڈائنوساروں سے پہلے پرندے
پھولوں والے پودوں سے پہلے حشرات	حشرات سے پہلے پھولوں والے پودے
پودوں سے پہلے سورج	سورج سے پہلے پودے
ڈولفن سے پہلے ڈائنوسار	ڈائنوسار سے پہلے ڈولفن
پردار سوسمار سے پہلے رینگنے والے خشکی کے جانور	خشکی کے رینگنے والے جانوروں سے پہلے پردار سوسمار

اِس کے باوجود کچھ لوگ اِس بات پر جرح کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ پیدایش کے تخلیقی بیان میں بنانے اور تخلیق کرنے کے لئے دو مختلف الفاظ استعمال کئے گئے (پیدایش کی کتاب میں استعمال ہونے والے یہ الفاظ حسبِ ترتیب ''آسا'' اور ''بارا'' ہیں)۔ وہ کہتے ہیں کہ چند ایک چیزیں ایسی ہیں جن کو خُدا نے حقیقی طور پر تخلیق (یعنی لاموجود یا نیست میں سے ہست) کیا ہے مثال کے طور پر پیدایش 1 باب 1 آیت میں مذکور آسمان اور زمین، اور پیدایش 1 باب 21 آیت میں مذکور سمندری حیات اور اُڑنے والے پرندے۔ اِس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ خُدا نے پہلے سے موجود چیزوں میں سے دیگر چیزوں کو ارتقائی عوامل کے ذریعے سے بنایا، مثال کے طور پر پیدایش 1 باب 16 آیت میں مذکور سورج، چاند اور ستارے اور پیدایش 1 باب 25 آیت میں مذکور چوپائے اور جنگلی جانور۔ عبرانی لفظ آسا کے معنی ہیں بنانا اور بارا کے معنی ہیں تخلیق کرنا۔ ابھی ہم اِن دو الفاظ کے بیان کی بنیاد پر کوئی مفروضہ نہیں گھڑ سکتے کیونکہ اگرچہ اِن کے معنوں میں بالکل معمولی سا فرق موجود ہے لیکن کئی ایک ایسے مقامات بھی ہیں جہاں پر دونوں الفاظ یعنی ''آسا'' بمعنی بنانا اور ''بارا'' بمعنی تخلیق کرنا ایک ہی عمل کے لئے ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہوئے ہیں (جیسے کہ انسان کی تخلیق جس کا ذکر پیدایش 1 باب 26-27 آیات میں ہوا ہے۔) پیدایش 1 باب میں کوئی بھی ایسی چیز یا بات نہیں جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ خُدا نے اپنی تخلیقات کے لئے ارتقائی عوامل کی مدد لی یا وہ اُنہیں بروئے کار لایا۔

پیدایش کی کتاب کے تخلیقی بیان کو ارتقائی بیان قرار دینے سے مزید کئی ایک مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ ایک اہم چیز جس کی بنیاد پر ارتقاء کا عمل جاری ہے وہ ''موت'' ہے۔ جبکہ بائبل مُقدس واضح طور پر یہ تعلیم دیتی ہے کہ خُدا کی طرف سے بنائی گئی کامل دُنیا میں موت آدم کے گناہ کی بدولت آئی تھی۔ گناہ کے عمل سے پیشتر نہ تو انسانوں کی اور نہ ہی حیوانوں کی موت موجود تھی۔ اور دونوں انسان اور جانور سبزی خور تھے (پیدایش 1 باب 29-30 آیات ظاہر کرتی ہیں کہ پودے خشکی کے جانداروں، پرندوں اور انسانوں کی طرح کے جاندار نہیں ہیں۔) پس ابتدائی اور حقیقی دُنیا جو خُدا نے تخلیق کی تھی وہ موت کے بغیر تھی اِس لئے اُس میں انسان کی تخلیق سے پہلے کسی طرح کے ارتقائی عوامل ممکن نہیں تھے۔

نجمی/ کوکبی ارتقاء

جس طرح ڈارون کے نظریہ انتخابِ طبیعی کے نئے روپ کے مطابق ہر ایک زندہ نظام کے وجود کی وجہ ارتقاء ہے اُسی طرح کائنات کے وجود میں آنے کا سب سے نمایاں فطری نظریہ بگ بینگ ہے۔ اِس کائنات کے وجود کے بارے میں جو تعلیم بائبل دیتی ہے اور جو بات نظریہ ارتقاء پیش کرتا ہے اُس میں نمایاں فرق یہ ہے کہ بائبل سکھاتی ہے کہ ''ابتدا میں خُدا نے سب کچھ تخلیق کیا'' جبکہ ارتقاء کے حامی کہتے ہیں کہ ''ابتدا میں کچھ بھی نہیں تھا، پھر اچانک ہی کچھ خود بخود وجود میں آیا اور ایک بہت بڑے دھماکے سے پھٹ پڑا۔'' بگ بینگ تھیوری کے مطابق ہماری کائنات اچانک ہی خود بخود وجود میں آ گئی، پھر یہ اچانک سے بڑی تیزی کے ساتھ پھیلنا شروع ہو گئی اور اِس میں سے اِن گنت بلین کہشکشائیں اور اَن گنت بلین ستارے وجود میں آ گئے۔

لاموجود سے کائنات کے خود بخود پیدا ہو جانے کے نظریے کی پشت پناہی کرنے کے لئے ارتقاء کے حامی عالمین تکوینیات کہتے ہیں کہ کوانٹم میکانیات کے مطابق کچھ خاص قسم کے حالات میں خلاء مادے کو پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن اِس طرح کے منطق کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ خلاء بذاتِ خود ایک چیز ہے، جبکہ ارتقاء کے حامیوں کا ماننا ہے کہ کائنات لاموجود میں سے آموجود ہوئی ہے۔ ویکیوم یا خلاء کو ظاہر کیا جا سکتا ہے اور غائب کیا جا سکتا ہے بالکل ویسے ہی جیسے ٹیری سیلی ویکیوم کو جوبیر و میٹر کے مہر شدہ بند حصے میں ہوتا ہے دیکھا جا

سکتا ہے۔ ہر طرح کا منطق یہی ثابت کرتا ہے کہ اگر آپ کے پاس کچھ بھی نہیں ہے تو اُس کچھ بھی نہیں کی وجہ سے کچھ بھی وجود میں نہیں آئے گا۔ یہ منطق کے ہر ایک اصول اور سائنس کے تمام اصولوں کے خلاف بات ہے کہ یہ ساری کائنات لاموجود یعنی نیست میں سے آموجود ہوئی ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے یہ سمجھا جائے کہ ایک خالی بینک اکاؤنٹ خود بخود کئی بلین ڈالروں سے بھر جائے۔

بہر حال اگر ہم اِس بات کو مان بھی لیں کہ یہ کائنات اور اِس کے اندر موجود ہر ایک چیز لاموجود یعنی نیست میں سے خود بخود پیدا ہوگئی ہے تو پھر ہمیں اِس کے نتائج کو بھی ماننا پڑے گا۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ نہ صرف اِس کائنات کی ہر ایک مادی چیز نیست کی پیداوار ہے بلکہ دیگر ہر ایک چیز بھی اُسکی کی پیداوار ہے۔ مثال کے طور پر اُس صورت میں ہم یہ قبول کرنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں کہ نیست نے (جو بذات خود کچھ بھی نہیں، نہ اُسکا کوئی ذہن ہے، نہ اُس کی کوئی اخلاقیات ہے اور نہ ہی اُسے کسی چیز کا ادراک ہے۔) ہر طرح کے ادراک، سوجھ بوجھ اور فہم کے ساتھ ساتھ منطق کو پیدا کیا۔ اُس نے پیچیدہ اخلاقی نظام، قانونی نظام، غلط اور صحیح کا تصور، موسیقی، ڈرامہ، ادب، رقص اور ایمان رکھنے کے نظام جن میں خُدا کا وجود شامل ہے کو بھی پیدا کیا۔ بگ بینگ مفروضے کے بہت سارے فلسفیانہ مضمرات میں سے یہ صرف چند ایک ہیں۔

کیمیائی ارتقاء

عام طور پر یہ مانا جاتا ہے (کیونکہ یہ سب ہمارے سکولوں اور کالجوں میں سکھایا جاتا ہے) کہ لیبارٹری کے تجربات سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ بے جان کیمیائی مادوں سے نامیاتی جسم پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ بہت سارے لوگ آج یہ مانتے ہیں کہ وہ سائنسدان جو کیمیائی ارتقاء کا مطالعہ کرتے ہیں اُنہوں نے اپنی لیبارٹریوں میں کیمیائی تجربات کی بناء پر زندہ چیزوں کو پیدا کرلیا ہے۔ اِس کے ثبوت کے طور پر سٹینلے ملر کے مشہورِ زمانہ تجربے کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو اُس نے 1953 میں کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس تجربے کے نتائج بھی کوئی ایسی چیز ظاہر نہیں کرتے جس کا یہاں پر ذکر کیا جارہا ہے۔ یہ تجربات جو ایک ذہین مخلوق یعنی انسان کی طرف سے کئے جاتے ہیں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کچھ خاص قسم کے حالات میں کچھ نامیاتی مرکبات غیر نامیاتی مرکبات کی بدولت ترتیب پاسکتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جو کچھ یہ ذہین سائنسدان کہہ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ ''اگر مَیں لیبارٹری کے تجربے سے یہ ثابت کردوں کہ زندگی کو لیبارٹری میں ترتیب دیا جاسکتا ہے تو پھر اِس کا حتمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ابتدا میں زندگی کی تخلیق کے لئے کسی طرح کی ذہانت درکار نہیں تھی۔'' اُن کے تجربات حقیقت میں اُن کے ایسے خیالات کے برعکس دوسری بات ثابت کر رہے ہیں ___ اور وہ یہ ہے کہ زندگی کو وجود میں لانے کے لئے ذہانت کی ضرورت ہے۔

اگر ہم ملر کے تجربے کا باریکی سے جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ زندگی کے ارتقاء کو ثابت کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اُس نے مختلف گیسوں (امونیا، ہائیڈروجن، میتھن اور پانی کی بھاپ) کو لیا اور اُن کے اندر سے بجلی کا کرنٹ گزارہ۔ اُس نے ایسا اِس لئے کیا کہ وہ گیسوں کے درمیان کڑکتی بجلی اور گرج چمک کا اثر پیدا کرسکے جیسا کہ اُس کے خیال میں کئی ملین سال پہلے ہوا ہوگا جس کی وجہ سے یہ زمین وجود میں آئی ہوگی۔ اِس تجربے کے نتیجے میں اُس نے امینو ایسڈ پیدا کیا۔ کیونکہ امینو ایسڈ پروٹین کی اکائیاں ہیں اور پروٹین زندگی کے نظام کی اکائیاں ہیں اِس لئے ملر کے اِس تجربے کی بہت چرچا کی گئی اور اِس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ یہ تجربہ ثابت کرتا ہے کہ اِس زمین پر کئی ملین سال پہلے زندگی محض اتفاق سے پیدا ہوگئی تھی۔

ایسے کسی بھی نتیجے کے حوالے سے کئی ایک اعتراضات پائے جاتے ہیں:

1: ہمارے پاس اِس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ زمین کی فضا اُنہی گیسوں کا مرکب تھی جن کا استعمال ملر نے اپنے تجربے میں کیا تھا۔

2: اب مسئلہ یہ ہے کہ ملر نے اپنے تجربے کے دوران اِس بات کو یقینی بنایا کہ اُس کے گیسوں کے مرکب میں آکسیجن موجود نہ ہو۔ اگر اُس میں آکسیجن موجود ہوتی تو پھر اُس میں کسی طور پر امینو ایسڈ پیدا نہ ہو پاتا۔ لیکن اگر زمین کے تعلق سے دیکھا جائے تو اگر ابتدائی طور پر اِسکی فضا میں آکسیجن موجود نہیں تھی تو پھر زمین کی فضا کے گرد اوزون کی تہیں کبھی بھی نہ بن پاتیں۔ اور اگر اوزون نہ ہوتے تو پھر بالائے بنفشی کی تابکاری شعاعیں زمین کی فضا میں سے گزر کر وہاں بنے ہوئے امینو ایسڈ کو تباہ کر ڈالتیں۔ پس ارتقاء کے حامی جس گومگو کی حالت کا شکار ہیں اُس کا خلاصہ کچھ یوں کیا جاسکتا ہے کہ اگر فضا میں آکسیجن تھی تو اُس کی وجہ سے امینو ایسڈ کا بننا ناممکن تھا، اور آکسیجن فضا میں سے غائب تھی تو پھر پیدا شدہ امینو ایسڈ کا تابکاری شعاعوں کی بدولت تباہ ہونا یقینی تھا۔

3: اگلے مسئلے کا تعلق امینوایسڈ کے نام نہاد ہینڈ ڈنس سے ہے۔ جس طرح سے کاربن کے آئٹم دوسرے آئٹموں کے ساتھ مل جاتے ہیں امینوایسڈ دو حالتوں میں پایا جاتا ہے اُنہیں دہنے ہاتھ اور بائیں ہاتھ کی حالت کہا جاتا ہے۔ بالکل جیسے آپکا دہنا ہاتھ آپ کے بائیں ہاتھ سے بالکل ملتا جلتا ہے سوائے اُس کی اپنی انفرادیت کے، اِسی طرح امینوایسڈ کا دہنا ہاتھ بھی اُس کے بائیں ہاتھ سے ملتا جلتا ہے سوائے اُس کی انفرادی حالت کے۔ تمام زندہ نظاموں ک اندر صرف اور صرف بائیں ہاتھ کے امینوایسڈ ہی پائے گئے ہیں۔ اب اگر ملر کے تجربے پر غور کیا جائے تو اُس میں پیدا ہونے والے امینوایسڈ ایک ہی جنتی مقدار یا تعداد میں دہنے ہاتھ اور بائیں ہاتھ کے تناسب سے پیدا ہوئے ہیں۔ اب جبکہ صرف بائیں ہاتھ والے امینوایسڈ زندہ نظاموں کے اندر پائے جاتے ہیں اِس لئے ملر کے تجربے سے پیدا ہونے والا آمیزہ زندگی کے ارتقاء کے لئے بالکل بے فائدہ ہے۔

4: کیمیائی ارتقاء کے لئے ایک اور بہت اہم مسئلہ اُس کے اندر پائی جانے والی معلومات کا پیدا ہونا ہے۔ انسانی نومی مادے جینوم میں پائی جانے والی معلومات کے حوالے سے مختلف قسم کے دعوے پائے جاتے ہیں۔ لیکن ایک محتاط اندازے کے مطابق اِس کا تخمینہ چند ہزار کتابوں کے مواد کے برابر لگایا جا سکتا ہے جو کئی سو صفحات پر مشتمل ہوں۔ یہ ساری معلومات کہاں سے آ گئی؟ محض اتفاق ایسی معلومات پیدا نہیں کر سکتا۔ اِسی تجزیے نے مرحوم پروفیسر سر فریڈ ہوئیل اور اُنکے ساتھی کارڈف یونیورسٹی کے پروفیسر چندرا وکرما سنگھ کو یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور کیا کہ ارتقاء کے حامی ہمیں اِس بات پر یقین رکھنے پر مجبور کر رہے ہیں کہ اگر ایک ٹورنیڈو جیسا طوفان ایک کباڑ خانے میں سے ہو کر گزرے تو اُس میں سے خود بخود ایک خوبصورت ہوائی جہاز تیار ہو جائے گا۔

اوپر پیش کئے جانے والے مسائل صاف طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ لیبارٹری میں زندگی کو پیدا کرنا تو بہت دور کی بات ہے کیمیائی ارتقاء کے حامی تو یہ بات بھی ثابت نہیں کر پائے کہ اُن کے اپنے نظریے کے مطابق زندگی کے نظام بے جان کیمیائی مادوں میں سے محض اتفاق سے کیسے پیدا ہو گئے ہیں۔ مزید برآں ایک زندہ خلئے کے نیوکلیئس میں پائی جانے والی بے تحاشہ معلومات یہ ظاہر کرتی ہے کہ زندہ چیزیں بے جان کیمیائی مادوں میں سے خود بخود قطعی طور پر پیدا نہیں ہو سکتیں۔ زندگی کے نظام کے وجود کی واحد وضاحت یہ ہو سکتی ہے کہ اُنہیں تخلیق کیا گیا ہے۔

حیاتیاتی ارتقاء: مشترک ناطہ داری

وہ سائنس جو جانوروں کی ساخت سے متعلق ہے اُسے Comparative Anatomy بالموازنہ تشریح الاعضا کا نام دیا گیا ہے۔ اِس کے مطابق ایک طرح کے جاندار کے اعضا کا دیگر جانداروں کے اعضا کیساتھ موازنہ اِس لئے کیا جاتا ہے تا کہ جانداروں کی باہمی ناطہ داری کا تعین کیا جا سکے اور یہ ثابت کیا جا سکتے کہ سب جانداروں کا جد امجد ایک ہی ہے۔ اِس بات کو ارتقاء کے لئے ایک بہت مضبوط گواہی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ بہر حال جس آسانی کے ساتھ تشریح الاعضا کی سائنس کا استعمال کیا جا سکتا ہے اُسی آسانی کے ساتھ تخلیق کی گواہی کا بھی استعمال کیا جا سکتا ہے جیسے کہ ہم ابھی دیکھتے ہیں۔

گھوڑے کی ہڈیاں انسان کی ہڈیوں سے مختلف ہیں، لیکن اُن میں انسان کی ہڈیوں سے کہیں نہ کہیں پر کچھ مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔ اِس لئے اگر ہم انسان کے ڈھانچے سے اچھی طرح واقف ہونگے تو ہم گھوڑے کی ہڈیوں کی نشاندہی کرنے کے بھی قابل ہونگے۔ اگر ہم دم دار جل چریا، مگر مچھ، ایک پرندے یا ایک چمگادڑ کے ڈھانچے کا مطالعہ کر لیں تو بھی ہم ایسا کرنے کے قابل ہونگے۔

بہر حال نہ صرف ہڈیوں میں مماثلت پائی جاتی ہے بلکہ دیگر بدنی ساختوں جیسے کے پٹھوں، دل، جگر، گردوں، آنکھوں، پھیپھڑوں اور انہضامی گزرگاہ میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے۔ ارتقاء کے حامیوں کے لئے یہ ایک واضح ثبوت ہے کہ مختلف طرح کے جاندار ایک ہی جانور یا جد امجد سے ارتقاء پذیر ہوئے ہیں۔ حیاتیات کی کتابوں میں اِس کی ایک اہم اور واضح مثال جو پیش کی جاتی ہے وہ جل تھلیوں، رینگنے والے جانداروں، انسانوں، پرندوں، چمگادڑوں اور دو پایوں کے اگلے بازو یا اعضا ہیں۔ تصویر کشی یا مثال میں دیکھا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا چھ طرح کے جانداروں کے اگلے بازوؤں [ٹانگوں] میں دو طرح کی ہڈیاں ہیں۔ ایک بازو کی اوپری ہڈی (ہومرس: کہنی اور کندھے کا درمیانی حصہ) اور دو بازو کے نیچے کی ہڈیاں (کلائی کی بڑی ہڈی یعنی رگِ بازو) ہیں۔ بہر حال اگر چمگادڑ کو دیکھا جائے تو اُس کے بازو میں ایک ہی ہڈی پائی جاتی ہے جسے ریڈیوالنہ (رگِ بازو) کہا

جاتا ہے۔

ارتقاء کے حامی کہتے ہیں کہ اگر یہ عضو اپنی ساخت اور بنیاد یا ابتدا کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں تو پھر یہ اپنے افعال کے حوالے سے بیشک یکساں نہ ہوں تب بھی اِنہیں ہم ترکیب اور ہم نسبت سمجھا جانا چاہیے۔لیکن غور کریں کہ بنیاد یا ابتدا کا تصور کیسے پراسرار طریقے سے اِس ساری بات کے اندر متعارف کروایا گیا ہے۔ چمگادڑ کے پر کے حوالے سے خیال کیا جاتا ہے کہ یہ دمدار جل چریے کے اگلے ہاتھوں سے ہم نسبت ہے کیونکہ اِن دونوں کی ساخت ایک جیسی ہے اِس لئے یہ مانا جاتا ہے کہ اِن کی اَصل بھی ایک ہی ہے۔ بہر حال اِس کو ایک حشرے کے پر سے ہم نسبت نہیں خیال کیا جاتا اگر چہ اِن دونوں کا فعل ایک ہی ہے لیکن اِن کی اَصل یا بنیاد کو ایک ہی تصور نہیں کیا جاتا۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ اگر دو چیزوں کی ساخت ایک جیسی ہے تو اِس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ اُن کی بنیاد یا اُن کا جدامجد ایک ہی ہے۔

ہمیں اِس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ارتقاء کے حامیوں کا سارے منطق کی بنیاد یہ مفروضہ ہے کہ نامیاتی اجسام میں جس قدر مشابہت پائی جاتی ہے وہ اُن اجسام کے درمیان ناطے داری کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اِس حوالے سے یہ بحث کی جاتی ہے کہ اگر مختلف جانداروں میں دیگر جانداروں کے ساتھ کافی مشابہت پائی جاتی ہے تو اِس کے مطلب ہے کہ (ارتقاء کے حامیوں کے نقطہ نظر سے) اُن جانداروں کے درمیان قریبی ناطہ داری ہے۔لیکن اگر جانداروں میں دیگر جانداروں کے ساتھ کم یا نہ ہونے کے برابر مشابہت پائی جاتی ہے تو اِس کا مطلب ہے کہ اُن میں دور کی رشتہ داری یا ناطہ داری پائی جاتی ہے۔لیکن ہمیں ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ سب محض ایک مفروضہ ہے۔

شکل نمبر 9: ہم نسبتی ساختیں

فقاریہ جانوروں کے اگلے اعضاء کے اندر قریباً ایک جیسی ہڈیاں پائی جاتی ہیں جو جینیاتی بڑھوتری کے دوران ایک ہی طرح سے بنتی ہیں۔

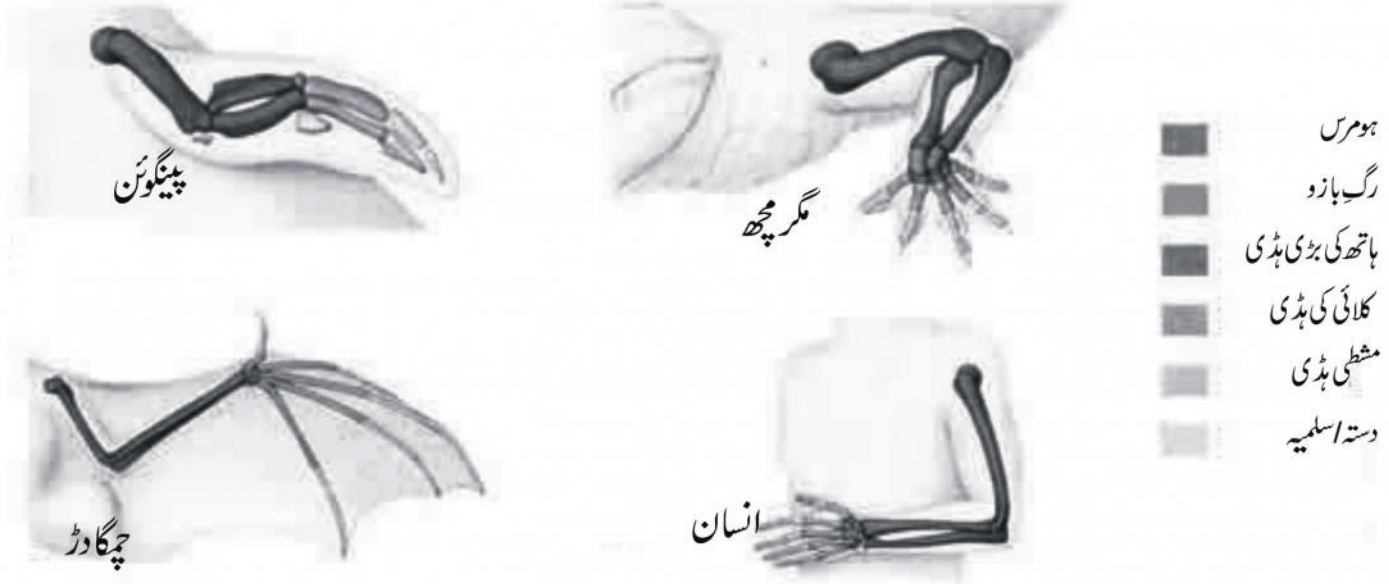

جانوروں میں ہم نسبت یا مماثل ساخت کو اگر درست طور پر دیکھا جائے تو یہ اِن سب چیزوں کے واحد خالق کی طرف اشارہ کرتی ہے۔اوپر دی ہوئی شکل میں ضرورت سے زیادہ سلیس کئے گئے دعوے کے برعکس فقاریہ جانوروں کے اگلے اعضا کا بننا ایک جیسا نہیں ہوتا۔ خاص طور پر مینڈکوں میں دستہ یا سلمیہ ایک غنچے کی صورت میں بنتا ہے اور پھر اُسکی بڑھوتری باہر کی طرف ہوتی ہے، لیکن انسانوں میں یہ ایک پشتے سے بنتے ہیں اور پھر اندر کی طرف اِن کی بڑھوتری ہوتی ہے۔ اگر جانوروں کی ہڈیاں ایک جیسی ہیں تو اِس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ اُن سب کا جدِامجد ایک ہی ہے۔[2]

حقیقت تو یہ ہے کہ ایک اور منطقی وجہ ہے کہ بہت سارے جاندار اور چیزیں ایک جیسی نظر آتی ہیں ___ اِس کا مطلب ہے کہ یہ سب ایک ہی باحکمت نمونہ ساز کی کاریگری ہیں جنہیں اُس نے ایک ہی جیسی ساخت پر تخلیق کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹیوٹا اور فوڑد کی گاڑیاں بہت زیادہ ایک جیسی نظر آتی ہیں۔ اُنہیں ایک ہی مقصد کے تحت بنایا گیا ہے، اور اِس بات کو سمجھنے کے لئے آپ کو اُن گاڑیوں کی ساخت کا بڑی گہرائی کے ساتھ تجزیہ کرنے کے ضرورت ہے۔ بہر حال زندہ چیزوں کی دُنیا کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ دونوں (ارتقاء اور تخلیق) میں سے ایک تفصیل ہمیں منطقی معلوم ہوتی ہے اور بہت دفعہ ہم گومگو کی صورتحال کا شکار ہو جاتے ہیں اور ہمارے لئے یہ کہنا مشکل ہو جاتا ہے کہ دونوں میں سے زیادہ معقول وضاحت کونسا نظریہ پیش کر رہا ہے۔ اِس لئے ہمارے لئے یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ہم پیش کردہ ثبوتوں کو کس نظریہ حیات کی روشنی میں دیکھ رہے ہیں۔

بہر حال ایک دریافت جو نظریہ ارتقاء کے ایک ہی جدِ امجد کے نظریے کو غیر منطقی اور پُر خطا ظاہر کرتی ہے یہ ہے کہ وہ جسمانی ساختیں جو بظاہر ہم نسبت یا مماثل نظر آتی ہیں اکثر ایسے جینز کے تحت نشو ونما پاتی ہیں جو دیگر جینز کے ساتھ ہم نسبت یا مماثل نہیں۔ اگر جسمانی ساختیں ایک ہی ذریعے سے پیدا ہوتیں تو پھر ہم یہ توقع کرتے کہ ایک ہی طرح کے جینز مماثل ساختیں بناتے ہیں، لیکن یہاں پر ایسا معاملہ نہیں ہے۔ یہ حقیقت عیاں ہے کہ جسمانی ساختیں ہم نسبت یا مماثل ہیں، لیکن اِسکی وجہ ڈارون کے نظریے کے مطابق ارتقاء نہیں۔ اِن کے ایسا ہونے کے لئے یہ یقین رکھنا زیادہ منطقی اور معقول ہے کہ اِن سب کا خالق ایک ہی باحکمت ہستی ہے۔

نظریہ ارتقاء کے بہت سارے حامی یہ بات مانتے ہیں کہ وہ بڑی ساختوں جیسے کہ ہڈیوں اور پٹھوں کے ارتقاء کا کوئی بھی ثبوت پیش کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں، سو اِس پر بات کرنے کی بجائے وہ یہ بحث کرتے ہیں کہ اُنہوں نے ایسے جانوروں کے حیاتیاتی نظام کے اندر پیچیدہ نامیاتی مالیکیولوں کے درمیان ہم آہنگی یا مماثلت ڈھونڈ لی ہے۔ ایسی ہی ایک مماثلت ہیموگلوبن ہے، یہ وہ پروٹین ہے جو خون کے سرخ خلیوں تک آکسیجن پہنچاتی ہے۔ اگرچہ یہ پروٹین تقریباً تمام ہی فقاریہ جانداروں کے اندر پائی جاتی ہے، کچھ غیر فقاریہ (کیچوؤں، ستارہ مچھلی، گھونگے اور حشرات) میں بھی موجود ہے اور اِس کے علاوہ کچھ بیکٹریا میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن اِن سب کے معاملے میں کہیں پر بھی اِس کیمیکل کے ارتقاء کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہر ایک میں ایک ہی جیسا مالیکیول مکمل اور فعال حالت میں پایا جاتا ہے۔ اگر ارتقاء واقعی ہی وقوع پذیر ہوا ہے تو پھر ہمیں اِس قابل ہونا چاہیے کہ ہم یہ جان سکیں کہ ہیموگلوبن کا ارتقاء کیسے ہوا، لیکن ایسا کچھ بھی قطعی طور پر ناممکن ہے۔ تخلیق کے حامیوں کے نزدیک بہر حال ہیموگلوبن جہاں جہاں خالق نے چاہا ہے غیر متوقع طور پر اچانک، مکمل اور فعال حالت میں موجود ہے۔

لاپتہ کڑیاں

انگریزی کا لفظ فوسل لاطینی لفظ فوسیلس سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ''کھودی گئی کوئی چیز''۔ موجودہ دور میں فوسل کے معنی ہیں متبرک، تبرک یا قدیم دور کی اُس زندگی کے سراغ یا نشان جو چٹانوں کے اندر قید ہو کر محفوظ ہو گئے تھے۔ یہ کسی جانور یا درخت کا کوئی ٹھوس حصہ ہو سکتا ہے، جیسے کہ کوئی تنا، پتے یا جلدی چھلکے / چانے، ہڈیاں یا دانت؛ یہ کسی جاندار کا نرم حصہ بھی ہو سکتا ہے جیسے کہ غیر ہضم شدہ خوراک (متحجر فضلہ) یا پھر اُس جانور کے چلنے پھرنے کے نشانات جیسے کہ کسی پتھر پر جانور کے پیروں کے نشان وغیرہ۔ وہ تمام فوسل جو آج تک رسوبی چٹانوں کے اندر ملے ہیں اُس سب کو ملا کر فوسل ریکارڈ کہا جاتا ہے۔

چارلس ڈاروِن نے ارتقاء کا نظریہ پیش کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ زندگی یا جاندار اپنی موجودہ حالت میں درجہ بدرجہ ارتقاء پذیر ہوتے ہوئے پہنچے ہیں۔ اگر ایسا ہوا ہے تو پھر ہمیں اِس بات کی توقع رکھنی چاہیے کہ ایک جاندار سے دوسرے جاندار میں تبدیل ہونے کے دوران کے بھی کچھ فوسل ہمیں ملیں گے جو ڈاروِن کی بات اور ارتقاء کے نظریے کی تصدیق کرتے ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمیں فوسلوں کے ریکارڈ میں آج تک ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا جو ہمیں یہ دکھاتا کہ ایک جاندار درجہ بدرجہ دوسرے جاندار کی شکل اختیار کر رہا ہو۔ ایک ہی طرح کے جانداروں کی بہت سی نسلوں کے فوسل ملے ہیں جیسے کہ ہاتھی کی مختلف نسلوں کے اور ڈائنوساروں کی مختلف نسلوں کے لیکن ہمیں آج تک ایسا کوئی فوسل نہیں ملا جو ایک جانور کے دوسرے جانور میں تبدیل ہونے کا ہو جیسے کہ آدھی مچھلی اور آدھا پرندہ وغیرہ۔ نظریہ تخلیق کے حامی اور نظریہ ارتقاء کے حامی دونوں ہی اِس بات کو مانتے ہیں کہ ارتقائی نظریے کے مطابق جانوروں کی درمیان قسم جو بتدریج ایک جانور سے دوسرے جانور میں تبدیل ہو رہی ہو کہیں پر بھی آج تک رسوبی چٹانوں کے اندر پائے جانے والے فوسلوں کی شکل میں نہیں ملی۔ دوسرے الفاظ میں ارتقائی نظریے کے مطابق جانوروں کی درمیانی شکل گم ہے اور اُس کے لئے عام طور پر لاپتہ کڑیوں کی اصطلاح استعمال کی

جاتی ہے۔ چارلس ڈارون کو خود بھی اِس بات کا اندازہ تھا کہ فوسلوں کا ریکارڈ اُس کے نظریے کی تصدیق نہیں کرتا، لہٰذا اُس نے اپنی کتاب Oigin of Species میں کہا کہ:

''درمیانی حالت کے جاندار(آدھا جاندار ایک قسم کا اور آدھا دوسری قسم کا جیسے آدھا پرندہ اور آدھی مچھلی وغیرہ) جو ماضی میں اِس زمین پر ہو گزرے ہیں اُن کی تعداد یقینی طور پر بہت ہی زیادہ ہوگی۔ اگر ایسا تھا تو پھر زمین کی ساری بناوٹ میں اور اُس کی سب پرتوں میں ایسے درمیانی حالت کے جانداروں کے فوسل (ہڈیاں یا باقیات) کیوں نہیں ملتے؟ علم ارضیات یقینی طور پر جانداروں کے بتدریج ایک سے دوسرے جاندار میں ارتقاء پذیر ہونے کی کوئی کڑی پیش نہیں کرتا۔ اور یہ غالباً سب سے زیادہ واضح اور سب سے زیادہ گھمبیر اعتراض ہے جسے میرے مفروضے اور نظریے کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے۔''[3]

اِس بات پر زیادہ زور نہیں دیا جا سکتا کہ بہت سارے ایسے مقامات ہیں جن کے حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر جانداروں کی کوئی ایسی درمیانی قسم موجود رہی ہے تو اُسے اُن مقامات پر ضرور ملنا چاہیے تھا —لیکن کوئی بھی ایسا جاندار جو ارتقائی عمل کے ذریعے ایک جانور سے دوسرے کی شکل میں ڈھل رہا ہو فوسلوں کی صورت میں نہیں ملا۔ تمام کے تمام ارتقاء پسند چند ایک ایسے مشکوک اور بحث طلب ڈھانچوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں (جیسے کہ گھوڑوں کے فوسل)، حالانکہ اُن کو اپنے نظریے کی پشت پناہی کرنے کے لئے لاکھوں ناقابلِ تردید مثالیں پیش کرنی چاہیے تھیں۔ یہ قابلِ غور بات ہے کہ جب کچھ عجیب وغریب جانوروں جیسے کہ میل ماہی (وہیل، ڈولفن اور سنگ ماہی)، آبی گائے نما جاندار (جل گائے، دریائی بھینس، ڈوگانگ)، گوشت خور آبی جاندار (سمندری شیر، سنگ ماہی اور دریائی گھوڑے)، کینگرو، چمگادڑ اور ڈریگن فلائی اور مکڑی کے فوسلوں کو دیکھا جاتا ہے تو ارتقاء کے مطابق اُن کے آباؤ اجداد اور اُن کی آئندہ نسلوں سے پیدا ہونے والے نئے ارتقاء پذیر جاندار لاپتہ کڑیوں کے طور پر غائب ہیں، اور اُنکا وجود محض مفروضاتی ہے نہ کہ حقیقی۔

حتیٰ کہ انسان کے حوالے سے فرض کردہ ارتقائی نظریہ بھی جھوٹا ثابت ہو چکا ہے۔ سچائی یہ ہے کہ جن ہڈیوں کو اکٹھا کر کے انسان کے ارتقاء پذیر ہونے کے نظریے کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اُن ہڈیوں کی تین طرح کی درجہ بندی کی جا سکتی ہے: معدوم بندر، موجودہ طور پر زندہ بندر یا پھر انسان۔ ذیل میں دیا گیا چارٹ ایسے ہی کچھ فوسلوں کے عام طور پر پہچانے جانے والے سائنسی ناموں کے ساتھ اُن کی درجہ بندی بیان کرتا ہے۔

نام	یہ کیا ہے؟
اوسٹریلوپتھیکس اوفرینیسس جیسے کہ ''لوسی''	معدوم بندر
اوسٹریلوپتھیکس افریکینوس	معدوم بندر
اوسٹریلوپتھیکس بوئیسیائی	معدوم بندر
پین ٹروگلوڈائس اور پین بیر ینجائی (بن مانس)	زندہ اور موجود بندر
گوریلا اور گوریلا بیر ینجائی	زندہ اور موجود بندر
پونگوپیگمیس اور پونگوابیلائی	زندہ اور موجود بندر
راماپتھیکس	معدوم بندر (معدوم اور ینگوٹین)
ہوموہیبلس	انسانوں اور بندروں کے فوسلوں کا پر مشتمل کوڑ کباڑ
ہوموفلوری سینیس	انسان (بونے)
ہومواریگیسٹر	انسان

ہوموا ریکٹس جیسے کہ پیکینگ مین اور جاوا مین	انسان
ہومونینڈر تھیلینس (نیدرلینڈز)	انسان**
ہومو ہائیڈر برگینس	انسان
ہوموسیپئن (جدید اور قدیمی)	انسان

*اِن فوسلوں کی بالکل درست درجہ بندی اِن کے بالکل درست نقطہ آغاز کے بارے میں معلومات کی بنا پر ہی کی جاسکتی ہے۔ کچھ فوسلوں کی درجہ بندی کی گئی ہے۔ کچھ ایسے فوسل جن کو انسان سے منسوب کیا گیا ہے (ہومو ہائیڈر برگینس، ہوموا ریکٹس وغیرہ) میں حقیقی طور پر کئی باتوں کے حوالے سے فرق دیکھا جاسکتا ہے لیکن وہ ہیں انسان ہی کے فوسل۔ ایسا ہی معاملہ بندروں کی کئی ایک قسموں کے حوالے سے بھی پایا جاتا ہے۔ ہم ایک ہی طرح کی نسل کے جانداروں میں نسل در نسل تھوڑی تھوڑی تبدیلی نہ کہ اُن کی حالت کا مکمل بدل کر کسی دوسرے جاندار میں تبدیل ہو جانے کو مانتے ہیں اور اِسی بات کی ہمیں بائبل سے بھی تعلیم ملتی ہے۔

** زیادہ تر اِن دو درجہ بندیوں کا تعلق انسان سے ہی ہے۔ بہر حال ارتقائی اعتقادات کی وجہ سے ایسی بہت ساری دریافت شدہ ہڈیوں کو جو اصل میں انسان کہ ہیں انسانوں کی درجہ بندی کی بجائے بندروں کی درجہ بندی میں شامل کر دیا گیا ہے۔ ہمیں اِن بندروں کی ہڈیوں کی دریافت کی درجہ بندی کرنے کی ضرورت ہے۔[4]

نئے انداز کا ارتقاء

چارلس ڈارون ایک دفعہ گالا پا گوز جزیروں پر گیا اور وہاں سے وہ چڑیوں کے نمونے لیکر آیا جو مختلف جزیروں پر پائی جاتی تھیں۔ اُس نے اُن چڑیوں کے حوالے سے اِس بات کا مشاہدہ کیا کہ اگر چہ وہ چڑیاں ایک جیسی معلوم ہوتی تھیں لیکن اُن کی چونچیں مختلف طرح کی تھیں، اور اُن کی چونچوں میں یہ فرق اُن کی مختلف طرح کی خوراک کے مطابق تھا، جو چڑیاں جیسی خوراک کھاتی تھیں اُس کے لئے اُن کی چونچ کی ساخت اُن کے لئے مددگار تھی۔ اپنے اِس مشاہدے سے ڈارون نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ماضی میں چڑیوں کا کوئی جوڑا یا جھنڈ اُن جزائر پر اُڑ کر چلا گیا اور اُس جزیرے کی آب و ہوا، حالات اور وہاں پر پائی جانے والی خوراک کے مطابق فطری چناؤ کے تحت اُن چڑیوں کی چونچیں ارتقاء پذیر ہو گئیں۔ اِس طرح کے سادہ سے مشاہدے اور نتیجے کی بنیاد پر ڈارون نے نہ صرف جانداروں کے ارتقاء کا نظریہ پیش کر دیا بلکہ اُس نے تو یہ نظریہ بھی پیش کر دیا کہ کیمیائی مادے دراصل کیمیا دان میں تبدیل ہو گئے (یعنی نیست سے ہست پیدا ہو گیا)۔

لیکن آیئے ہم یہاں پر غور کریں کہ ڈارون نے دراصل مشاہدہ کیا کیا تھا___ اُس کا مشاہدہ تھا کہ مختلف جزائر پر رہنے والی چڑیاں، مختلف طرح کا کھانا کھاتی تھیں اور اِس لئے اُن کی چونچیں بھی مختلف طرح کی تھیں۔ اِس سے اُس نے کیا نظریہ یا تجویز پیش کی؟ یہ ہر جزیرے پر پائی جانے والی مخصوص چڑیاں اُس پر آنے والے پہلی چڑیوں کے جوڑے یا جھنڈوں سے پیدا ہوئی تھیں۔ دوسرے الفاظ میں اُس نے یہ خیال پیش کیا کہ مختلف چڑیوں سے اُن کی جنس کے موافق چڑیاں پیدا ہوئیں۔ اور یہی وہ بات ہے جو بائبل پیدائش 1 باب میں ہمیں سکھاتی ہے۔

اِس بات پر اِس سے زیادہ زور نہیں دیا جاسکتا سوائے یہ کہنے کے کہ کبھی بھی کسی نے ایک طرح کے پودوں یا جانوروں کو بالکل دوسری طرح کے پودوں یا جانوروں میں تبدیل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ڈارون نے بھی ایسی کوئی بات یا چیز نہیں دیکھی تھی اگر چہ اُس نے یہ نظریہ پیش کر دیا تھا کہ ایک طرح کے جاندار ارتقاء پذیر ہو کر دوسری طرح کے جانداروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اِس زمین پر آج ہزاروں اقسام کے درخت اور جانور پائے جاتے ہیں، اگر اُن کی اگلی نسلوں میں کوئی تبدیلی آئے تو وہ اپنے جیسے ہی جانور پیدا کرتے ہیں جیسے کہ کتوں سے مختلف طرح کے کتے پیدا ہو سکتے ہیں لیکن وہ ہونگے کتے ہیں نہ کہ کوئی گائے یا بیل۔ یہ چیز اِس بات کی تصدیق کرتی ہے۔ جس کی طرح بائبل مقدس اشارہ کرتی ہے کہ جاندار اور پودے اپنی اپنی جنس کے مطابق پھلیں پھولیں ویسا ہی ہو رہا ہے۔

پس ہم صرف اِس چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ پودے اور جاندار اپنی ہی جنس کے مطابق پھلتے پھولتے ہیں اور یہی وہ بات تھی جو چارلس ڈارون نے گالا پا گوز کے جزیروں پر دیکھی۔ مثال کے طور پر ہم رائی یا سرسوں کی بہت ساری مختلف اقسام دیکھتے ہیں جیسے کہ شلغم، سربین، بند گوبھی، پھول گوبھی، موگرے وغیرہ اور یہ سب کی سب بالکل عام جنگلی

سرسوں بنام اولیریسیہ کی اقسام ہیں۔ اِس کے علاوہ ایک اور بہت عمدہ مثال کتوں کی کئی سینکڑوں اقسام کی بھی دی جا سکتی ہے جن میں ہسپانوی، ٹیریئر، بل ڈاگ، سگ پست، گریٹ ڈین، جرمن شیپرڈز، آئرش وولف ہونڈ اور گرے ہونڈ وغیرہ شامل ہیں۔ کتوں کی یہ تمام نسلیں آپس میں جنسی ملاپ کے ذریعے سے اور بھیڑیوں، گیدڑوں، آسٹریلوی نیم پالتو کتے ڈِنگو، اور گرگ مرغزار یعنی کویوٹی کے ساتھ جنسی ملاپ کے ذریعے کتوں کی کوئی اور نسل پیدا کرنے کے قابل ہیں۔ لیکن اِن سے پیدا ہونے والے بچے کسی بھی نسل کے کیوں نہ ہوں وہ ہونگے کتے ہی۔ اور یہ تمام کی تمام نسلیں دراصل کتے کے اُن دو جوڑوں کی اولاد ہیں جو نوح کے ساتھ کشتی پر سوار ہوئے تھے۔

نتیجہ

ہم نے دیکھا ہے کہ بائبل ہمیں ارتقاء کے بارے میں تعلیم نہیں دیتی ہے۔ بگ بینگ تھیوری کو ثابت کرنے کے لئے کسی کے پاس کوئی قابل مشاہدہ شواہد یا مثال نہیں ہے، اور اگرچہ ارتقاء کے حامیوں نے لیبارٹری کے اندر جاندار چیزوں کو تخلیق کرنے کی بے انتہا کوششیں کیں لیکن کیمیائی ارتقاء بری طرح ناکام ہو چکا ہے۔ جانداروں کی ساخت اور اُن کے اجسام کے اندر موجود مشابہت اِس بات کی ہرگز دلیل نہیں ہے کہ اُن کا جدامجد ایک ہی تھا اور وہ ایک جاندار سے ارتقاء پذیر ہو کر اتنے زیادہ جاندار بنے ہیں، بلکہ اِس بات کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اِن تمام چیزوں کا خالق ایک ہی ہے۔ اگرچہ اب تک کئی بلین فوسل ڈھونڈے جا چکے ہیں لیکن اُن میں سے کوئی ایک بھی ایسا فوسل نہیں ملا جو ایک جاندار سے دوسرے جاندار کے ارتقاء پذیر ہونے کے بارے میں ہمیں آگاہی دیتا ہو۔

فطری چناؤ کے ذریعے سے جو اکثر جنگلوں میں عمل میں آتا ہے اور مصنوعی چناؤ جو لوگ مختلف جانوروں اور پودوں کے ملاپ کے ذریعے سے عمل میں لاتے ہیں بے شمار قسم کے نئے جاندار اور پودے پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اُن پودوں اور جانداروں کا تعلق اپنی ہی جنس کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایسا آج تک کسی طور پر بھی ممکن نہیں ہو پایا کہ ایک قسم کے جاندار یا پودے سے بالکل کسی دوسری قسم کا جاندار یا پودا پیدا ہو سکے۔ جنسوں کہ نام نہاد حد بندی کو کسی طور پر توڑا نہیں جا سکا اور نہ ہی توڑا جا سکتا ہے۔ اِس قسم کے ارتقاء کا کبھی بھی کسی بھی شخص نے تجربہ نہیں کیا۔ اور اِس بات کا اعتراف کسی اور نے نہیں بلکہ ارتقاء کے نامی گرامی پروفیسر رچرڈ ڈاؤکن نے کیا ہے جس نے اپنے ایک انٹرویو میں یہ کہا کہ ارتقاء قابلِ عمل ہے اور اُس کا مشاہدہ کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی اُس نے فوراً یہ بھی کہا کہ ''بس مسئلہ یہ ہے کہ اُس کے وقوع پذیر ہوتے ہوئے اُس کا کبھی بھی مشاہدہ نہیں کیا جا سکا۔''[5]

اقتباسات و کتابیات

1: T. Mortenson, Evolution vs. Creation: The Order of Events Matters!
2: G. Johnson and P. Raven, Biology, Holt, Rinehart, and Winston, Austin, Texas, 2006, 286.
3: C. Darwin, The Origin of Species, Penguin Books, London, 1968, 291.
4: For more on supposed human evolution, see chapter 4, "Did Humans Really Evolve from Apelike Creatures?" in K. Ham et al., War of the Worldviews, Master Books, Green Forest, Arkansas, 2006.
5: Www.pbs.org/now/transcript/transcript349_full.html#dawkins.